نظام امارت شرعیہ کی مختصر تاریخ

احیاء دین، اعلاء کلمۃ اللہ اور خدا کی زمین پر خدا ہی کے احکام و فرمان کے نفاذ و اجراء کے لئے نظام امارت و تنظیم جماعت کی ضرورت و اہمیت کو ہمارے اسلاف نے کبھی بھی فراموش نہیں کیا۔ بلکہ حالات نے جب بھی اجازت دی حسب استطاعت اس اہم ترین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی مخلصانہ جدوجہد کی ہے اور احوال وظروف کے مطابق بتوفیق ایزدی مکی و مدنی دونوں عہد کی سنتوں کو زندہ کر دکھایا ہے۔ آئندہ صفحات میں اکابر رحمہم اللہ کی اسی انقلابی جدوجہد کی مختصر تاریخ پیش کی جارہی ہے۔ انشاء اللہ اس کے مطالعہ سے شبہات کے پردے ہٹیں گے۔ خدشات کے زخم مندمل ہوں گے۔ مسافران منزل کو حوصلہ ملے گا۔ اور اس راہ کی صعوبتوں کے تصور نے جن کی ہمتیں پست کردی ہیں۔ ان میں بھی قدم سے قدم ملاکر چلنے کی ہمت پیدا ہوگی۔

امارت شرعیہ کی تاسیس

قیام امارت کی ضرورت علمائے اسلام نے اسی وقت محسوس کرلی تھی۔ جب کہ ہندوستان کی مسلم حکومت کا چراغ مفلس کے دیئے کی طرح ٹمٹمانے لگا تھا۔ چنانچہ اس عہد کے جماعت علماء کے سربراہ اور خاندان ولی اللہی کے چشم و چراغ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا فتویٰ دارالحرب اور قیام امارت اسی احساس کا جرأت مندانہ اظہار تھا اور اس فتویٰ کو غیر منقسم ہندوستان میں پہلی بار جس جماعت نے عملی جامہ پہنانے کا بیڑہ اٹھایا وہ بھی حضرت شاہ صاحب ہی کی ساختہ پرداختہ تھی۔ یعنی حضرت سید احمد شہیدؒ بریلوی اور آپ کے رفقاء کار۔

اس اجمال کی تفصیل جناب غلام رسول مہر کی زبانی سنئے :۔

"سید صاحب سرحد تشریف لائے تھے تو آپ کو یقین ہوگا کہ شرع شریف کے احکام کی پابندی اور اسلامیات پر فداکاری میں اہل سرحد مسلمانان ہند سے فائق و برتر ہوں گے۔ لیکن یہاں پہنچ کر دو برس تک ایک ایک طبقے کے احوال و مراسم دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا اسلام بھی رسمی ہے اور واقعہ بھی یہی تھا۔ اس وقت اہل سرحد کی زندگی جاہلیت کے آلائش سے آلودہ تھی لہٰذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ سروسامان جہاد کے ساتھ ساتھ انہیں اسلامیت کا پابند بنایا جائے۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ جہاد کی بیعت کے ساتھ ساتھ سب سے اقامت شریعت کی بیعت بھی لی جائے۔ پٹھانوں کی اصلاح و تنظیم

کے سلسلے میں یہ دوسرا قدم تھا۔

چنانچہ فیصلہ کے مطابق کام کا آغاز کر دیا گیا۔ اور منفرد ہزاروں آدمیوں نے سید صاحب کی اس دعوت کو قبول کر لیا لیکن اصل غرض انفرادی قبول و پذیرائی سے نہیں پوری ہو سکتی تھی۔ ضروری تھا کہ ایک ہمہ گیر نظام پیدا کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے علماء و اکابر کا اجتماع تھا۔ اس اجتماع کے لئے پنجتار کا انتخاب کیا گیا۔

چنانچہ سید صاحب اپنی جماعت کے ساتھ رئیس پنجتار فتح خان کی دعوت پر وہاں پہنچے اور پہنچتے ہی بیعت شریعت کے لئے دعوت عام کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں مختلف بستیوں اور قبیلوں میں دورے فرماتے اور علماء و اکابر کو جمع کر کے پابندی احکام اسلام کی ہدایت کرتے۔ دوروں اور وعظ و نصیحت کے ذریعے سے قبول عام کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ تو فیصلہ ہوا کہ پنجتار میں اجتماع عظیم منعقد کیا جائے جس میں سرحد کے برجستہ علماء و خوانین شریک ہوں۔ یکم شعبان ۱۲۴۴ھ (۶ فروری ۱۸۲۹ء) کی تاریخ اور جمعہ کا دن اس اجتماع کے لئے تجویز ہوا۔ خوانین و اکابر کے علاوہ دو ہزار کے قریب علماء اس موقع پر آئے۔ اتنے ہی ان کے تلامذہ تھے بعض مکاتیب میں ہے قریب ہزار علماء و طلبہ تھے) اس اجتماع میں سید صاحب نے افتتاحی تقریر فرمائی جس کے آخر میں اہل پنجتار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر آپ ہماری بات ماننا چاہتے ہیں تو اسی مجمع میں مان لیجئے ورنہ اتحاد کا رشتہ کٹ جائے گا میں خدائے عزّ و جل کا ایک عاجز بندہ ہوں میری خواہش اس کے سوا کچھ نہیں کہ سب لوگ احکام الٰہی کے فرماں بردار بن جائیں۔

تقریر پوری کر کے سید صاحب خود مجمع میں سے اٹھ گئے۔ علماء آپس میں مشورے کرتے رہے آخر اس فیصلے پر پہنچے کہ "نظام شرعی کا قیام" لازم ہے۔ نماز جمعہ کے بعد سب نے سید صاحب کے ہاتھ پر "اقامت شریعت" کے لئے بیعت

استفتاء اور اس کا جواب نماز کے بعد ایک استفتاء علماء کی خدمت میں پیش کیا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ

"اگر کوئی شخص امام کی بیعت کرنے اور اس کی اطاعت اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد خدمت دین اور اجرائے شرع مبین کے سلسلے میں امام کے کسی حکم کو رد کر دے اور مخالفت پر کمربستہ ہو جائے، بلکہ جدال و قتال میں بھی شامل نہ ہو۔ تو اس کے اور اس کے ساتھیوں کے متعلق شریعت کا فیصلہ کیا ہے"؟

علماء نے غور و فکر کے بعد اس کا مفصل جواب مرتب کیا اس کے مطالب کا خلاصہ یہ تھا۔

۱۔ اثبات امامت کے بعد حکم امام سے سرتابی سخت گناہ اور قبیح جرم ہے۔

۲۔ مخالفوں کی سرکشی اگر اس پیمانے پر پہنچ جائے کہ قتال کے بغیر اس کا استیصال ممکن نہ رہے تو تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ ان مخالفوں کی تادیب کے لئے تلواریں نکالیں اور امام کے حکم کو بزور مخالفوں پر نافذ کریں۔

۳۔ اس معرکے میں لشکر اسلام میں سے جو شخص قتل ہو گا وہ شہید سمجھا جائے گا۔ اور لشکر مخالف کے مقتولین مردود ناری متصور ہوں گے۔

اس فتوے پر علماء سرحد میں سے پچیس افراد کے دستخط تھے (جن کے نام سیرت احمد شہید میں مرقوم ہیں)

اصلاح عام | غالباً ۱۵ شعبان ۱۲۴۴ھ کو جمعہ کے دن (۲۰ فروری ۱۸۲۹ء) پھر ایک اجتماع ہوا۔ جو فتح خاں رئیس پنجتار کے قبیلے کے افراد پر مشتمل تھا۔ خان نے ان سب کو بیعت کی ترغیب دی اور انہوں نے بطیب خاطر نظام اسلامی کی پابندی قبول کر لی۔ پھر مختلف علاقوں کے لئے سید صاحب نے قاضی مقرر فرما دئے۔

مولوی سید محمد حبان کو قاضی القضاۃ بنایا گیا۔ ملا قطب الدین ننگرہاری کو احتساب کا کام سونپا گیا۔ اور تیس تفنگچی ان کے ساتھ مقرر کئے گئے اور قریہ قریہ دورہ کرتے رہے جہاں کوئی امر خلاف شرع پاتے ان کا انسداد کرتے۔

نظام امارت کا اثر | راویوں کا بیان ہے کہ تھوڑی مدت میں پورے علاقے کی کایا پلٹ گئی۔ تمام لوگوں نے شریعت کی پابندی اختیار کر لی۔ پٹہ داریاں ٹوٹ گئیں۔ مقدمات کے فیصلے شریعت کے مطابق ہونے لگے۔ اگر ملا قطب الدین کے آدمی دوسرے کام کے سلسلے میں کسی گاؤں میں جاتے تو گاؤں والے دوڑے ہوئے آتے اور بتاتے کہ یہاں کوئی بے نماز نہیں رہا

ایک سوال | کیا بیعت اقامت شریعت کے بعد سید صاحب کے اختیارات فرماں روائی میں کوئی اضافہ ہوا؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ بیعت امامت نے سید صاحب کو نظم قوائے جہاد کا مجاز بنایا تھا۔ بیعت اقامت شریعت کی رو سے وہ اجرائے احکام شرعی کا مرکز بن گئے۔ رؤسا و خوانین پر صرف اس حد تک پابندیاں عائد ہوئیں جو از روئے شریعت حقہ ضروری تھیں۔ لیکن ان کی ریاستیں اور سرداریاں بدستور قائم رہیں۔ (سیرت احمد شہید ج ۲ ص ۹۳)

ضروری تنبیہ | یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ بیعت شریعت، بیعت جہاد سے الگ ہے۔ چنانچہ غلام رسول مہر صاحب نے بھی اس پر تنبیہ کی ہے۔ وہ بیعت جہاد کی بحث کو ختم کر کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

"یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ بعض سوانح نگاروں نے بیعت امامت جہاد اور بیعت اقامت شریعت کو مخلوط کر دیا ہے حالانکہ دونوں بیعتیں الگ الگ ہوئی تھیں۔ اور ان میں کم و بیش دو سال دو ماہ کا فصل ہے۔"

(سیرت احمد شہید ج ۱ ص ۴۸۰)

۲۔ نظام امارت کی دوبارہ تاسیس | حضرت امام سید احمد شہید کے واقعہ شہادت (۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ) کے بعد باقی ماندہ مجاہدین نے شیخ ولی محمد صاحب پھلتی کو (جو امام شہید کے مخصوص احباب میں تھے) اپنا امیر بنا لیا پھر ۱۲۵ھ میں جب شیخ نصیر الدین دہلوی داماد حضرت شاہ صاحب محمد اسحاق دہلوی (حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مرشد اول) ہجرت مجاہدین کے مرکز استھانہ پہنچے تو تمام مجاہدین نے ان کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور انہیں اپنا امیر منتخب کر لیا لیکن ان مجاہدین کی جماعت میں حضرت امام شہید کی غیبت و رجعت کے جدید نظریے کی وجہ سے اجتماعیت قائم نہ رہ سکی اور جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ شیخ نصیر الدین دہلوی نے اگرچہ ان کے انتشار و اختلاف کو دور کرنے کی بہت کوشش کی مگر انہیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ جس کی بنا پر اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جدوجہد کا وہ سلسلہ جسے امام شہید نے

جاری فرمایا تھا اور ان کی شہادت کے بعد منقطع ہوگیا تھا دوبارہ شروع نہ ہوسکا۔ مجاہدین کے اسی انتشار کے زمانہ میں مولوی نصیر الدین دہلوی کا ۱۲۵۶ھ میں انتقال ہوگیا۔ ان کے بعد مجاہدین کی قیادت وسیادت کی ذمہ داری مولانا ولایت علی سہارنپوری نے سنبھالی۔ چونکہ نظریہ غیبت ورجعت کے مولانا زبردست حامی و موئد تھے۔ اور عقیدہ کی رو سے امام شہید کے ظہور کے بعد انہی کی بیعت میں جہاد کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے ان کے عہد امارت میں بھی حضرت امام شہید کے عظیم مقصد کو بروئے کار لانے کے سلسلے میں کوئی پیش رفت نہ ہوسکی۔

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی جو ہندوستان سے ہجرت کرکے حجاز چلے گئے تھے انہیں ہندوستان میں اس بابرکت جدوجہد کو دوبارہ شروع کئے جانے کی بڑی تمنا تھی۔ اور ان کی تدبیروں پر اکثر غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بغرض حج و زیارت حرمین شریفین پہنچے۔ اور تقریباً دو سال اس ارض مقدس میں مقیم رہے۔ اور اس سفر میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کی مجلس میں حاضری اور ان کی تربیت کی جانب، خصوصی توجہ فرمائی۔ اور ہندوستان میں انقلابی جدوجہد کی ہدایت دے کر واپس بھیجا۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب نے انہی خطوط پر جن کی ہدایات "شاہ صاحب" نے فرمائی تھیں۔ ہندوستان آکر استاذ الکل مولانا مملوک علی۔ مولانا مظفر حسین کاندھلوی۔ مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ کے اشتراک و تعاون کے ساتھ کام شروع کر دیا۔ (التمہید لتعریف ائمۃ التجدید۔ مولانا عبید اللہ سندھی ص ۷۴)

بالآخر ۱۲۷۴ھ (۱۸۵۷ء) میں جب کہ برطانوی سامراج کے ظلم و تشدد کے خلاف برسوں کی سلگتی ہوئی آگ لاوا بن کر پھوٹ پڑی۔ تو قافلہ ولی اللہی کے ان مسافروں نے جو سالوں سے سامان سفر کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے تھانہ بھون کی ایک مسجد میں بیٹھ کر طے کیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ:۔

"زمین اللہ کی حکومت بادشاہ کی اور حکم ایسٹ انڈیا کمپنی" کے جھوٹے دعوے کے خلاف اعلان کر دیا جائے کہ "زمین اللہ کی حکومت اللہ کی اور حکم اللہ کا"

ظاہر ہے کہ یہ اعلان کوئی معمولی نہ تھا بلکہ ایک ایسی جابر و قاہر حکومت کے خلاف اعلان جنگ تھا جس کی وسیع سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس مسئلہ پر خوب غور و فکر کرنے کے بعد ایک تنظیم کے تحت یہ انقلابی قدم اٹھایا جائے۔ مزید غور و فکر کی اس لئے بھی ضرورت تھی کہ اپنی ہی جماعت کے ایک بزرگ حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بحالات موجودہ اس اقدام کے شدید مخالف تھے۔ تھانہ بھون کی اسی مسجد میں ایک بار پھر مجلس شوریٰ کے ارکان سر جوڑ کر بیٹھے۔ اس مجلس شوریٰ کا انعقاد کس تاریخ کو ہوا۔ ارباب حل و عقد میں سے کتنے حضرات اس میں شریک ہوئے۔ ان تفصیلات سے تاریخ کا دامن خالی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے بیان سے صرف درج ذیل اکابر کے ناموں کا پتہ

۱۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب۔ ۲۔ حضرت حافظ ضامن شہید صاحب۔ ۳۔ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب۔ ۴۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب۔ ۵۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب۔ اول الذکر تین اکابر تو تھانہ بھون ہی میں پہلے ہی سے موجود تھے۔ البتہ آخر الذکر ہر دو بزرگوں کو ان کے گھروں سے بلایا گیا تھا۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے کی کارروائی کی تفصیل خود حضرت مدنی قدس سرہ کی زبانی سنی جائے کیونکہ اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی آپ کی قدآور شخصیت تھی۔ اس لئے ان سے زیادہ صحیح رپورٹ کون دے سکتا ہے۔ حضرت مدنی فرماتے ہیں۔

مجلس شوریٰ کی روداد جب ہر دو حضرات مولانا نانوتوی و مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما پہنچ گئے تو ایک اجتماع میں اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ حضرت نانوتوی نے نہایت ادب سے مولانا شیخ محمد صاحب سے پوچھا (کیونکہ وہ چچا پیر تھے اس لئے ان کا ہمیشہ ادب کیا جاتا تھا) حضرت کیا وجہ ہے کہ دشمنان دین و وطن پر جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلات جہاد نہیں ہیں۔ ہم بالکل بے سروسامان ہیں۔

مولانا نانوتوی نے عرض کیا اتنا بھی سامان نہیں ہے جتنا کہ غزوہ بدر میں تھا۔

اس پر مولانا شیخ محمد صاحب مرحوم نے سکوت فرمایا۔

حافظ ضامن شہید صاحب نے فرمایا کہ بس مولانا سمجھ میں آگیا۔ اور پھر جہاد کی تیاری شروع ہوگئی اور اعلان کر دیا گیا۔

حضرت حاجی صاحب کی امارت پر بیعت اور تنظیم کی تشکیل! حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو امام مقرر کیا گیا۔ اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو سپہ سالار افواج قرار دیا گیا۔ اور حضرت حافظ ضامن صاحب تھانوی کو میمنہ و میسرہ (فوج کے دائیں و بائیں بازو) کا افسر قرار دیا گیا۔

عام مسلمانوں کی اطاعت گذاری چونکہ اطراف و جوانب میں مذکورہ بالا حضرات کے علم و تقویٰ (تصوف اور تشرع) کا بہت زیادہ شہرہ تھا ان حضرات کے اخلاص اور للہیت سے لوگ بہت زیادہ متاثر تھے۔ ہمیشہ سے ان کی دینداری اور خدا ترسی دیکھتے رہے تھے اس لئے بہت تھوڑی مدت میں جوق در جوق لوگوں کا اجتماع ہونے لگا۔ مجاہدین ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ تھانہ بھون اور اطراف میں اسلامی حکومت قائم کر دی گئی۔ اور انگریزوں کے ماتحت حکام نکال دیے گئے۔ (نقش حیات ج ۲ صد ۴۲)

اس نظام امارت کا ذکر مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید میں کیا ہے۔ مگر تذکرۃ الرشید ایسے زمانہ میں ترتیب دی گئی ہے جب کہ واقعہ کو اصلی رنگ میں بیان نہیں کیا جا سکتا تھا اس لئے مولانا میرٹھی نے اجمال و توریہ سے کام لیا ہے ضرورت تھی کہ بعد کے ایڈیشنوں میں بات وضاحت کے ساتھ حاشیہ ہی میں صحیح بیان کر دی جاتی۔ مگر ناشروں کی سہل انگاری سے ایسا نہ ہو سکا۔ ظاہر ہے کہ اس مجمل اور تلمیح و توریہ کے پردے میں کہی گئی بات کو ماخذ نہیں بنایا جا سکتا۔

مولانا مناظر احسن گیلانی نے بھی سوانح قاسمی بروایت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اس کا تفصیلی تذکرہ لکھا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام اور حضرت قاری صاحب کے بیانات میں جزوی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم نے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے بیان کو ترجیح دی ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنی مشہور تصنیف التمہید کے ص ۹۰ پر لکھا ہے کہ حضرت شیخ الہند نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ مجھ سے بیان کیا تھا۔ مگر حضرت شیخ نے کیا تفصیلات بیان کی تھیں۔ مولانا سندھی اس سے بالکل خاموش ہیں۔ کاش کہ مولانا ان تفصیلات کو بیان کر دیتے تو ممکن ہے کہ اس واقعہ سے متعلق کچھ اور باتیں منصۂ شہود پر آ جاتیں۔

بادشاہ دہلی کی گرفتاری اور مجاہدین حریت کی ناکامی کے بعد اس نظام امارت کا شیرازہ بکھر گیا جس کی تفصیلات مذکورہ بالا کتابوں بالخصوص نقش حیات میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

۳۔ تنظیم جماعت کی تیسری کوشش اس ناکامی کے بعد اگرچہ شیخ الہند اپنے پورے عہد میں "ثمرۃ التربیت"۔ جمعیۃ الانصار۔ نظارۃ المعارف اور ریشمی رومال تحریک کے ذریعہ اس متاع گم شدہ کی بازیافت میں کوشاں رہے۔ لیکن ۱۸۵۷ء کی تحریک کا رد عمل اتنا سنگین تھا کہ اس دور میں دین و مذہب کے نام پر کسی تنظیم کی تشکیل تو دور کی بات ہے۔ زبان پر اس کا نام لانا بھی جرم عظیم تھا۔ اس لئے باقاعدہ طور پر نظام امارت کا قیام تو اس زمانہ میں نہیں ہو سکا پھر بھی حضرت شیخ الہند اپنے مخصوص اور معتمد تلامذہ اور متوسلین سے خفیہ طور پر احیاء دین کے لئے جد و جہد پر بیعت لیتے رہتے۔

بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی بھی انہی معتمد تلامذہ کی فہرست میں شامل تھے۔ جن سے یہ معاہدہ شرعی ہوا تھا (مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت) لیکن آہستہ آہستہ جب شکوک و شبہات کے بادل کچھ چھٹے یا بالفاظ دیگر جب مجاہدین حریت کے پے در پے حملوں سے برطانوی سامراج کی قوت میں اضمحلال پیدا ہو گیا اور اسیران ظلم و ستم کو کسی حد تک امن و اطمینان کی فضا میں سانس لینے کا موقع نصیب ہوا تو ۶۳ سال کے طویل عرصہ کے بعد اسی بوڑھے مجاہد (جسے درازی عمر، کثرت امراض اور مالٹا کے تقریباً تین سالہ قید و بند کی صعوبتوں نے چارپائی پر لٹا دیا تھا لیکن اس کے حوصلے جوان اور عزائم بلند تھے) کی یہ آواز ہمارے کانوں میں گونجتی ہے "میری چارپائی اٹھا کر جلسہ گاہ لے چلو۔ پہلا شخص میں ہوں گا جو اس امیر کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔" لیکن برا ہو ہم عصری کی چشمک اور منافست کا کہ غیروں نے نہیں بلکہ خود اپنوں نے اس صدائے حیات افزا کو ان سنی کر دی۔

حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی نے اپنی ایک تحریر میں اسی تلخ حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اگر علماء میں مداہنت و منافست نہ ہوتی اور صوفیاء میں ارباباً من دون اللہ بننے کا شوق نہ ہوتا تو آج تمام ہندوستان ایک شرعی نظام کے تحت زندگی بسر کر رہا ہوتا۔ اور اسلام کی

حقیقی برکات سے متمتع ہوتا۔ ان کی روح حکومت کی غلامی سے آزاد ہوتی اگرچہ جسم غلامی میں مقید ہوتا۔" (حیات سجاد ص ۱۰۷)

قصہ مختصر جب جمعیۃ علماء کے دوسرے اجلاس میں حضرت شیخ الہند جیسی عظیم و ہمہ گیر شخصیت کی موجودگی اور ان کی شدید خواہش کے باوجود علمائے ذی مراتب امیر الہند کے انتخاب پر آمادہ نہیں ہوئے تو مولانا ابوالمحاسن نے اپنی بصیرت سے بھانپ لیا کہ امیر الہند کا مسئلہ جلد طے ہونے والا نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے صوبائی پیمانے پر نظام امارت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا اور اپنے صوبہ بہار میں اس کی داغ بیل ڈالنے کی مہم شروع کردی۔ چنانچہ ۲۳، ۲۴، ۲۵ شعبان (۲، ۳، ۴ مئی ۱۹۲۱ء) کو دربھنگہ میں جمعیۃ علمائے صوبہ کے اجلاس عام کے موقعہ پر یہ تجویز منظور کی گئی۔

"صوبہ بہار و اڑیسہ (اس وقت اڑیسہ مستقل صوبہ نہیں بنا تھا بلکہ صوبہ بہار ہی کا ایک جز تھا) کے محکمۂ شرعیہ کے لئے ایک عالم مقتدر شخص امیر منتخب کیا جائے جس کے ہاتھ میں تمام محاکم شرعیہ کی باگ ہو اور اس کا ہر حکم مطابق شریعت ہر مسلمان کے لئے واجب العمل ہو۔ نیز تمام علماء و مشائخ اس کے ہاتھ پر خدمت و حفاظت اسلام کے لئے بیعت کریں جو سمع و طاعت کی بیعت ہوگی۔ جو بیعت طریقت سے الگ ایک ضروری اور اہم چیز ہے۔ جمعیۃ متفقہ طور پر تجویز کرتی ہے کہ انتخاب امیر کے لئے ایک خاص اجلاس علماء بہار کا بمقام پٹنہ وسط شوال میں کیا جائے۔" (تاریخ امارات ص ۵۰)

حسب تجویز ۱۸، ۱۹ شوال ۱۳۳۹ھ ۲۵، ۲۶ جون ۱۹۲۰ء کو یہ اجلاس پتھر کی مسجد پٹنہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے زیر صدارت منعقد ہوا جس میں مولانا آزاد سبحانی اور مولانا سبحان اللہ خان کے علاوہ سو سے زیادہ صوبہ بہار کے علماء شریک ہوئے۔ چنانچہ اسی اجلاس کی دوسری نشست میں بالاتفاق شرکائے اجلاس مولانا شاہ بدرالدین پھلواری کو امیر شریعت صوبہ بہار اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب کو نائب امیر شریعت منتخب کیا گیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا مبارک دن تھا جس میں باقاعدہ امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا جس کا سلسلہ بحمد اللہ آج تک جاری ہے۔ اب تک یکے بعد دیگرے امارت کے منصب پر چار امراء کا انتخاب ہو چکا ہے اور یہ سب جمعیۃ علماء ہی کی نگرانی میں ہوا ہے فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

۴۔ پنجاب میں امیر شریعت کا انتخاب | صوبہ بہار میں انتخاب امیر اور نظام امارت کے قیام کے بعد حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ کی انجمن "خدام الدین" کے سالانہ اجلاس ۱۹۲۶ء کے موقع پر جس میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا محمد انور شاہ محدث کشمیریؒ۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔ حضرت مولانا حسین علی واں بھچھرؒ۔ حضرت مولانا علامہ محمد یوسف بنوریؒ۔ مولانا ظفر علی خانؒ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ وغیرہ پانچ سو

(باقی ص ۶۳ پر)